عبادات میں فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ کے اختلافات کی نوعیت

The Nature of the Differences between Hanafi Jurisprudence and Ja'fari Jurisprudence in Worship

* عنایت اللہ خان: پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، فیصل آباد

**ڈاکٹر محمد رمضان نجم باروی: اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، فیصل آباد

ABSTRACT

In the present international context, there are two major sects of Mualim Ummah. Which are different in basic faith and fiqqah issues. One of them is Ahl-e-Sunnat and the other is Ahl-e-Tashee. Ahl-e-Sunnat have also different concepts within the sect as,

1.Fiqqah Hanfia-2- Fiqqah Shafia-3-Fiqqah Maalikia-4-Fiqqah Hanblia

The different concepts among Ahl-e-Tashee are,

2.Jaffaria (Imamia) 2- Zaidia-3-Abazia-4- Zahria -5- Ismailia

Fiqqah Hanfia got importance in Ahl-e-Sunnat sect which is related towards Imam-e-Azam. While in Ahl-e-Tashee Fiqqah Jaffaria(Imamia) is important. The followers of Fiqqah Jaffaria dedicate their praying and religious dealings towards Imam Jaffar. The both sects (Fiqqah Hanfia and Fiqqah Jaffaria) have differences in terms of principle rule and theology excluding kuffar when we see them in an international view. But these are all jurisprudential and academic differences. On the basis of these differences, clashes are not suitable in anyway. So that’s why it is very important to understand inferences of these differences. The principal base both religious sects is Ijma. However, Fiqqah Hanfia has Qiyas and Fiqqah Jaffaria follow the rule of differential wisdom. Fiqqah Hanfia pursue on every Hadith which probed true and connected to all Sahabah of Prophet (S.A.W) and belong to Muhammad (S.A.W). While in Fiqqah Jaffaria the narrations are accepted as true which belong to Muhammad (S.A.W) through Aima-e -Masoomeen (Imam Jaffar

Sadiq, Imam Baqir, Imam Zain-ul Abidin, Imam Hussain, Imam Hassan and Hazrat Ali (R.A). On the hand Imam Abbu Hanifa (R.A) , the founder of Fiqqah Hanfia was close disciple of Imam Jaffar Sadiq(R.A) . Both Aima's researched the basic sources of islam with good conscience, equity and justice to extract and solve all problems. Thus, the differences among the suspected issues were obvious. There was no aversion between the two Imams (Imam Abu Hanifa and Imam Jaffar Sadiq (R.A)) that might establish two different sects. Because Ahnaaf's also have have such jurisprudential issues among them. In this research the fundamental principles and Fiqqah issues are discussed with differences in dealing with prayer and worships. So that the co-essentiality be highlighted to solve/ intercede the prospects of issues and differences.

Keywords: Farvi Ikhtlafat, Fiqa e Hanfia, Fiqa e Jafria, Ibadat, Aqal, Qiyas, Aqaid

فقہ حنفیہؒ اور فقہ جعفریہ میں عبادات کے فروعی مسائل میں اختلافات کے اسباب مختلف ہونے کی وجہ سے لامحالہ طور پر مسائل کے حکم میں بھی اختلافات ہونا ضروری ہیں۔ چونکہ ہر دو فقہ کے قرآن واحادیث اور أحکام میں علماء و فقہاء نے اپنے پیش رو آئمہ کے اصولوں کو اپنایا ہے چونکہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین میں فروعی اختلافات دین کا حسن تھا۔ لہٰذا انہی اصولوں کے تابع جو منابع انہوں نے اپنائے اس سے حکم اختلاف تھا۔ فقہ حنفیہؒ اور فقہ جعفریہ کے منابع ایک نہ ہونے کی بناء پر عبادات میں أحکام مختلف ہیں۔ ان کی نوعیت دو قسم کی ہیں۔ ایک اصولی اختلاف اور دوسرے فروعی اختلافات ہیں۔ اصولی اختلافات میں حکم کی نوعیت فرض، واجب، حرام کی ہوگی۔ اور فروعی اختلافات میں اختلاف کی نوعیت، استجاب، ندب اور کراہت کی ہوگی۔ ذیل میں فقہ حنفیہؒ اور فقہ جعفریہ کے مسائل طہارت، صلوۃ، جنابت، جنائز، صوم، حج اور زکوۃ کے اختلافات کی نوعیت کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جائے گا۔

کتاب الطھارۃ

پانی سے طہارت کے حکم میں اختلاف کی نوعیت

فقہ حنفیہؒ اور فقہ جعفریہ میں ٹھہرے پانی میں اختلاف ہے۔ فقہ حنفیہؒ اور فقہ جعفریہ کے نزدیک ایسا ٹھہرا ہوا پانی جس کے اوصاف ثلاثہ یعنی رنگ، بو اور ذائقہ ٹھیک ہوں اور ان میں بگاڑ پیدا نہ ہو وہ طاہر و مطہر کے حکم میں ہے۔

ٹھہرے پانی میں دونوں فقہی مسالک میں مقدار اور پیمانہ معین ہے۔ اصل اختلاف پانی کی مقدار، پیائش کے پیمانہ اور پانی جہاں پر واقف ہے اس کی حد کے تعین میں اختلاف ہے۔ گو کہ اصولی طور پر واقف پانی سے اگر اس کا رنگ، بو اور ذائقہ تبدیل نہ ہوں تو طہارت ہو سکتی ہے اور کر سکتا ہے۔ لیکن فروعی اختلاف میں پانی کی حد کیا ہے اس کے تعین میں اختلاف ہے۔ فقہ حنفیہّ نے واقف پانی کے لیے غدیر عظیم اور فقہ جعفریہ میں کُر مقدار متعین کی ہے۔۔
فقہ حنفیہّ میں واقف پانی کے لیے غدیر عظیم کے حوالہ سے فقہاء احناف نے اس کی تعریف میں کہا کہ دس گز در دس گز شرعی ہو۔ شرعی گز ایک ہاتھ مع ایک وسط انگلی کے ہوتا ہے یعنی چوبیس انگل کا اور آج کل کے رواجی انگریزی گز تقریباً نو گرہ کا ہوتا ہے۔ پس اس رواجی گز سے ساڑھے پانچ گز لمبا اور ساڑھے پانچ گز چوڑا ہو تو پانی کثیر کے حکم میں آتا ہے ورنہ قلیل ہے۔ اور اس کی گہرائی کم از کم اتنی ہو کہ اگر چلو سے پانی پی لیا جائے تو پانی اٹھنے سے زمین نظر نہ آئے اور اگر وہ جگہ لمبائی میں زیادہ اور چوڑائی میں کم ہو تو اس کا رقبہ 10x10 گز شرعی کے برابر ہو مثلاً 205x گز یا 1001x گز شرعی ہو اور اگر گول ہو تو اس کا گھیرا اڑتالیس گز ہو اور اگر مثلث یعنی تکونا ہو تو ہر ضلع ساڑھے پندرہ گز ہونا ضروری ہے۔[1] جبکہ فقہ جعفریہ کے نزدیک اس کے لیے کُر کی اصطلاح ہے اور کُر پانی ایسا برتن ہو جو ساڑھے تن بالشت لمبا ساڑھے تین بالشت گہرا اور ساڑھے تین بالشت چوڑا ہو اور اس کو پانی سے بھر دیا جائے تو وہ کُر پانی ہوگا یا اس کا وزن بیس مثقال کم ایک سو اٹھائیس من تبریزی ہو جو تین سو چھہتر کلو اور سات سو چالیس گرام کا ہوتا ہے۔ اور اگر اس کی مقدار لمبائی، چوڑائی اور گہرائی میں تین تین بالشت ہو تو کافی ہے۔
کُر:۔ آب قلیل نجس کے ملاقات سے متنجس ہو جاتا ہے جبکہ آب کثیر وہ ہے جو محض نجس کی ملاقات سے متنجس نہیں ہو جاتا آب کثیر کہتے ہیں۔ جس مقدار کو آب کثیر کہتے ہیں اس کی مقدار تینوں اطراف سے ۲۷ بالشت ہوتی یہ آب کثیر کی کم از کم مقدار ہوتی ہے۔ آب کثیر کے احکام اس پر جاری ہوتے ہیں۔[2]

---

[1] فخر الدین زیلعی، عثمان بن علی (م ۷۴۳ء)، تبیین الحقائق (دار الکتب الاسلامی، قاھرہ، مصر)، ۶/۱
Fakhar ul din Zailai,Usman Bin ali,Tabyeen ul Haqaiq(Dar ul Kutab Islami, Qahira,Misar),1/6

[2] محقق حلی، ابوالقاسم نجم الدین جعفر بن حسین (م ۶۷۶ھ)، شرائع الاسلام فی مسائل الحلال والحرام (مطبوعہ اسماعیلیان قم ۱۴۰۹ھ)، ص: ۵
Muhaqqiqq Hali,Abu Qasim ,Sharai Islam fi Masail il Halal Wal Haram(matbooa ismailian,Qum,1409),P:5

1-سالت ابا عبدالله عن الماء الذی بول فیه الدوابُ وتلغ فیه الکلاب ویغتسل فیه الجنب قال اذان کان الماء قدر کُرٍ لو بنجسه شیا-[1]

امام سے ایسے پانی کے بارے میں پوچھا جس میں چوپائے بول کرتے ہوں اور کتے کا جھوٹا ہو اور جنبی غسل کریں اس کے بارے میں کیا حکم ہے تو فرمایا اگر پانی کُر مقدار ہو تو وہ پانی کو نجس نہیں کرتا۔

2-سالت ابا عبدالله وما الکُرُ قال ثلاثة اشبار فی ثلاثةِ اشبار-[2]

امام سے کُر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: تین بالشت ہر طرف سے ہو۔

فقہ حنفیہؒ اور فقہ جعفریہ میں ٹھہرے ہوئے پانی کے احکام میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ اختلاف کی نوعیت پیمانے میں ہے۔ فقہ حنفیہؒ اس کو غدیر عظیم کہتے ہیں اور فقہ جعفریہ کُر جیسا کہ مذکورہ بالا دلائل میں واضح ہے۔

وضو میں اختلاف کی نوعیت

فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ میں وضو میں فرائض کی تعداد کے حوالے سے اصولی اختلاف نہیں ہے۔ فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ میں وضو کے فرائض چار ہیں اور فقہ جعفریہ میں بھی وضو کے فرائض چار ہیں۔ اب ان فرائض میں اختلاف ہے اور اصل اختلاف پاؤں کے دھونے اور مسح کرنے میں ہے۔ فقہ حنفیہ کے نزدیک وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے اور فقہ جعفریہ میں پاؤں پر مسح کرنا فرض ہے۔ فقہ حنفیہ کے نزدیک قرآن کی آیت فقہ حنفیہ کے نزدیک جر کی تقدیر پر بھی ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے اور اس پر جوار کی وجہ سے جر ہے اس کی مثال یہ آیت ہے۔ اس آیت میں الیم عذاب کی صفت ہے۔ اس اعتبار سے اس پر نصب (زبر) ہونی چاہیے تھی لیکن چونکہ اس کے جوار میں یوم پر جر ہے، اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ اس کو جر جوار کہتے ہیں۔ اسی طرح ارجلکم کا عطف وجوھکم کو اور ایدیکم پر ہے۔ اس وجہ سے اس پر نصب ہونی چاہیے تھی لیکن اس کے جوار بروُسکم چونکہ مجرور ہے اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔

---

[1] طوسی، ابو جعفر محمد بن الحسن (م ۴۶۰ھ)، تہذیب الاحکام، باب آداب الاحدیث (مطبعۃ النجف فی النجف ۱۳۷۵ھ)، رقم: ۱۲۱
Toosi,Abu Jafar Muhammad Bin hassan,Tahdhib al Ahkam,(Matba Najaf,Najaf),Raqam:121

[2] کُلینی رازی، ابو جعفر محمد بن یعقوب (م ۳۶۹ھ)، اصول کافی، باب الماء الذی لاینجسه شئی (مطبعہ اسلامیہ تہران)، رقم: ۷۹۷۳
Kuleeni,Razai,Usool Kafi(matba Islamia ,Iran,Tehran),Raqam:7973

لہٰذا یہ جر جوار ہے۔ جبکہ فقہ جعفریہ میں موضع اختلاف مسح رجلین ہے۔ اس کی بنیاد فہم آیۃ فاغسلوا ہے۔ ارجلکم کا عطف رؤسکم پر لفظاً یا محلاً ہے۔ بہر صورت مسح رجلین ثابت ہوتا ہے۔ ثانیاً معطوف اور معطوف علیہ میں اتنا طویل فاصل ذوق سلیم قبول نہیں کرتا۔[1]

فصرح فی الآیة بحکمین فی عضوین ثو عطف الایدی علی الو جوہ فاوجب لھابالعطف مثل حکمھا وعطف الا ربل جل علی الرؤس فاوجب ان یکون الھافی المسح مثل حکمھا بمقتفی العطف ولوجاز ان کالفا بین حکمھا مع العطف جاز ان یخاف بین حکمھا فی الو جوہ دیدل علی ذالک ایضاً۔[2]فان قال قائل قد مضیٰ فی کلا مکو ان المسح علی الرجلین ھوا لفرض ومخالفونکوید فھو نکو عن ذالک ویقولون ان ذالک بد عتہ---الخ

اگر کوئی اعتراض کرے آپ کے کلام پر کہ "پاؤں پر مسح کرنا فرض ہے" پر اور آپ کے مخالف اسے بدعت کہتے ہیں فرض دھونا ہے مسح نہیں تو آپ کی دلیل کیا ہے تو ہماری دلیل قولہ تعالیٰ یاایھا الذین آمنوا اذا قمتم---الآیۃ۔ اس آیت میں دو اعضاء کے بارے میں تصریح ہے دھونے کی پھر ایدی کو وجوہ پر عطف کرکے دھونے کا حکم واجب کر دیا بالکل اسی طرح رؤس پر ارجل کو عطف کرکے ان دونوں اعضاء کو واجب کر دیا۔ بعد اگر عطف معطوف کے حکم میں مخالفت جائز ہو تو وجوہ اور ایدیکم میں بھی مخالفت جائز ہوگی۔[3]

مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں فقہ حنفیہ کے نزدیک پاؤں دھونا فرض ہے اور فقہ جعفریہ کے نزدیک پاؤں پہ مسح کرنا فرض ہے۔

اذان میں اختلاف کی نوعیت

---

[1] آیت اللہ مکارم، تفسیر نمونہ (مدرسہ امام علی، قم ایران ۱۳۸۲ھ)، ۳۲۳/۲

Ayat ulllah Makarim,Tafseer e Namoona(madrisa Imam Ali,Qum ,Iran),2/323

[2] شہید ثانی، الروضۃ البھیۃ فی شرح اللمعۃ الدمشقیۃ، ص: ۳۷

Shaheed Sani, Al-Rozat ul baheia Fi Sharah e lamat el Damishqia,P:37

[3] محمد کاظم طباطبائی، العروۃ الوثقیٰ، ۱۳۶/۱

Muhammad Kazim Tabatai,Al-Urwat ul Wusqa,1/136

فقہ حنفیہّ وفقہ امامیہ میں اذان دینے میں بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ حنفیہّ کے نزدیک پانچوں نمازوں سے پہلے اذان دینا سنت ہے جبکہ فقہ جعفریہ کے نزدیک بھی اذان دینا سنت ہے۔ فقہ حنفیہّ اور فقہ جعفریہ میں اذان کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ فقہ حنفیہّ کے نزدیک اذان وہی ہے جو آقا نے ابو منذور بال اور عبد اللہ بن زید کو تعلیم فرمائے۔ جبکہ فقہ جعفریہ میں اذان کے الفاظ یہ ہیں ابو بکر حضرمی اور کلیب الاسدی نے کہا کہ میں امام جعفر صادق نے جو اذان سکھائی وہ یہ ہے اور اس میں حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل کے الفاظ کے ساتھ سکھائی اور فرمایا:

ولا باس ان يقال في صلاة الغد على الر حى على خير العمل الصلاة خير من النوم مرتين للتقية۔[1]

کہ تقیہ کی بناپر الصلوۃ خیر من النوم کہنا بھی جائز ہے۔

اسی روایت کے تحت انہی الفاظ کی تردید فقہ جعفریہ کی اساسی کتاب کے مؤلف شیخ صدوق نے اور امامیہ کے محدث و مفسر ابو جعفر بن حسن الطوسی نے بڑی شدومد سے کی ہے۔ شیخ صدوق اور محدث و مفسر ابو جعفر بن حسن الطوسی نے لکھا:

وقال مصنف هذا الكتاب رحمه الله هذا هو الآذان الصحيح لا يزاد فيه لا ينقص منه والمفوضة لعنهم الله قد وضعوا اخبار وزادو فى الآذان محمد و آل محمد خير البرية مرتين بعض روايا تهو اشهد ان عليا ولى الله -ولكن ليس ذالك فى اصل الآذان -[2]

مصنف من لایحضرہ الفقیہ نے فرمایا کہ الفاظ محمد وآل محمد اور اشہد ان علیا ولی اللہ دو مرتبہ کہا اضافہ کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو اور یہ اصل اذان نہیں ہے۔"حی علی الخیر العمل "اور "ان علی ولی اللہ "ہے جو کہ منسوب بہ امام صادق۔ نیز فقہ حنفیہ میں فجر کی اذان میں تشویب " الصلوۃ خیر من النوم "کے الفاظ سے سنت ہے جبکہ فقہ جعفریہ اس جیسے الفاظ کے بارے میں لاعلم ہے۔اس کے علاوہ اذان میں استقبال قبلہ، حنفیہّ اور امامیہ میں مختلف فیہ ہے۔ حنفیہّ

---

[1] صدوق، ابو جعفر محمد بن علی (م۳۸۱ھ)، من لایحضرہ الفقیہ، باب ثواب الاذان والاقامۃ (جماعۃ المدرسین قم، ایران)، رقم: ۸۹۵
Sodooq,Abu Jafar Muhammad Bin Ali,Man la Yahzuruhu Faqihu(Jamat ul Mudariseen,Qum),Raqam:895

[2] صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، رقم: ۸۹۷
Sodooq,Abu Jafar Muhammad Bin Ali,Man la Yahzuruhu Faqihu,,Raqam:897

کے نزدیک روبقبلہ ہو کر اذان دینا سنت ہے جبکہ فقہ جعفریہ کے نزدیک شھادتین کے بعد اگر قبلہ رونہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بہر حال اذان کے ہونے میں اصولی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح جنبی شخص کے اذان دینے میں فروعی اختلاف ہے۔ فقہ حنفیہّ کے نزدیک جن کی اذان مکروہ ہے جبکہ فقہ جعفریہ کے نزدیک بھی شخص اذان دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

1۔سالت اباعبدالله عن التثويب فى الاذان والاقامة فقال ما نعرفه۔[1]

"وامام باقر سے تقریب کے بارے میں پوچھا گیا اذان و اقامت میں تو فرمایا ہم اسے نہیں جانتے۔"

2۔لابی عبدالله ايتكلم الرجل فى الاذان قال لاباس قلت فى الاقامة قال لا ۔[2]

"امام باقر سے اذان میں جو شخص کلام کرتا ہے اس کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اقامت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ اس میں کلام نہ کرے۔"

3۔ابی عبدالله قال قلت له يوذن الرجل وهو على غير القبلة قال اذا كان التشهد مستقبل القبلة فلا باس۔[3]

امام باقر سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو غیر قبلہ کی طرف منہ کرکے اذان دیتا ہے فرمایا شہادت کے بعد منہ دوسری طرف ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

4۔وكان على رضى الله عنه يقول لا بأس ان يوذن الغلام قبل ان يحتلم ولا باس ان يؤذن المؤذن وهو جنب۔[4]

---

[1] طوسی، تہذیب الاَحکام، باب الاذان والاقامۃ، رقم: ۱۷۲۲
Toosi,Tahdhib al Ahkam,Raqam:1722

[2] طوسیٰ، تہذیب الاَحکام، باب بداء الاذان والاقامۃ، رقم: ۴۹۲۲
Toosi,Tahdhib al Ahkam,Raqam:4922

[3] کلینی، فروع کافی، باب بداء الاذان والاقامۃ، رقم: ۴۹۳۷
Kaleeni,Faro Kafi,Raqam:4937

[4] طوسی، تہذیب الاَحکام، باب الاذان والاقامۃ، رقم: ۱۷۲۰
Toosi,Tahdhib al Ahkam,Raqam:1720

"حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ بچے کے اذان دینے میں اور جن کے اذان دینے میں کوئی حرج نہیں۔"

نیز مسافر کی اذان واقامت میں اصولی اختلاف ہے۔ فقہ حنفیہ کے نزدیک سفر میں اذان واقامت ضروری ہے جبکہ فقہ جعفریہ کے نزدیک اذان میں اقامت میں نماز کی طرح قصر ہے لیکن ایک ایک کلمہ کہے۔

عورت کی اذان دینے میں اختلاف ہے۔ فقہ حنفیہ کے نزدیک اگر کسی عورت نے اذان دی ہے تو اس کو لوٹانا مستحب ہے جبکہ فقہ جعفریہ میں عورت پر اذان نہیں ہے۔ اگر اس نے دے دی ہے تو اذان واقامت افضل ہے۔

کتاب الصلوٰۃ میں اختلاف کی نوعیت

مواقیت میں اختلافات کی نوعیت

طرفین میں نماز کے اوقات میں بنیادی اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نماز اپنے مقررہ اوقات میں ادا کرنا چاہیے۔ نماز فجر کے وقت میں اختلاف نہیں ہے فقہ جعفریہ میں احتیاط طلوع آفتاب سے قبل اذان دیگر خروج شمس سے قبل ادائیگی ضروری ہے۔ فقہ حنفیہ کے نزدیک زوال شمس سے نماز ظہر کا وقت اور سایہ کے دوگنا ہونے پر عصر کا وقت ہو جاتا ہے۔ جبکہ فقہ جعفریہ کے نزدیک زوال شمس سے ہی ظہر و عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ فقہ حنفیہ میں غروب شمس کے ساتھ ہی مغرب اور شفق غائب ہونے پر عشاء کا وقت ہو جاتا ہے۔ جبکہ فقہ جعفریہ میں غروب شمس کے ساتھ ہی عشاء و مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ فقہ حنفیہ کے نزدیک وقت نکل جانے سے نماز نہیں ہوتی اس اصول میں اختلاف نہیں ہے۔ اسی اوقات کے تعین کی وجہ سے ہی نماز کی ادائیگی میں اختلاف ہے۔ فقہ حنفیہ کے نزدیک ہر نماز اپنے مقررہ وقت میں پڑھنا فرض ہے جبکہ فقہ جعفریہ کے ہاں اوقات نماز کے اندر نماز پڑھنا فرض ہے۔ فقہ جعفریہ میں ظہر اور عصر کا وقت زوال شمس سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور مغرب وعشاء کا وقت غروب شمس سے شروع ہو جاتا ہے لہذا دونوں نمازیں اکٹھے پڑھی جا سکتی ہیں۔

فقہ جعفریہ کے دلائل یہ ہیں:

تختص الظهر من عقب الزوال بمقدار ادائها وتختص العصر من آخر النهار بمقدار ادائها ايضا ومابين الاول والآخر مشترك بين الصلاتين ومن هُنا قالوا يجوز الجمع بين الصلاتين فى الوقت المشترك

تختص صلاة المغرب من اول وقت الغروب بمقدار دائها ... وتختص صلاة العشاء من آخر النصف الاول من الليل بمقدارداءها ومابين هذين وقت مشترك. [1]

"وقت ظہر زوال کے بعد سے لے کر نماز ادا کرنے کی مقدار مختص ہے۔ ظہر کے ساتھ اور وقت عصر کی ادائیگی دن کے آخر میں وقت مختص ہے (یعنی ابتدائی 5 منٹ میں عصر نہیں پڑھ سکتے اور آخری 5 منٹ میں ظہر نہیں پڑھ سکتے) اور درمیانی وقت مشترک ہے اس میں جب چاہیں دونوں نمازیں پڑھ سکتے ہیں اور اسی پر جمع بین الصلاتین کا فتویٰ ہے۔ اور اسی طرح مغرب کے ابتدائی وقت (5 منٹ) میں نماز کے لیے اور نصف رات کے آخری وقت (۵ منٹ) نماز عشاء کے لیے خاص ہے اور درمیانی وقت میں جب چاہیں دونوں نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔"

اوقاتِ نماز میں اختلاف کی نوعیت میں فقہ حنفیہ کے نزدیک ہر نماز اپنے وقت میں ہی ادا ہوگی فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء، کا اپنا وقت ہے۔ وقت گزرنے پر دوسرے وقت کی نماز نہیں پڑھی جاسکتی جبکہ فقہ جعفریہ میں ظہر، عصر، ایک وقت میں اور مغرب عشاء ایک وقت میں پڑھ سکتے ہیں۔

نماز میں ہاتھ کھولنا اور باندھنا

فقہ حنفیہؒ کے نزدیک نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے جبکہ فقہ جعفریہ میں ہاتھ کھول کر پڑھنا سنت ہے۔ تکبیر تحریمہ کے بعد اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے ناف کے نیچے باندھنا فقہ حنفیہؒ کے نزدیک نبی کریم کی سنت ہے۔ فقیہ حنفیہؒ اس کے لیے ذیل دلائل پیش کرتے ہیں جیساکہ

عن علی رضی الله عنه قال ان من السنة فی الصلوة وضع الکف علی الکف تحت السرة -[2]

جبکہ فقہ امامیہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنی چاہیے ان کے نزدیک ہاتھ چھوڑنا نماز میں فرض ہے اس کے لیے دلیل یہ ہے"

[1] نجم الدین جعفر، شرائع اسلام، ص:۵۱

Najam ul Din Jafar,Sharai Islam,P:51

[2] ابو داؤد، سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، رقم:۷۵۵

Abu Dawood,Sunan,Kitab ul Salat,Raqam:755

فعلمنی الصلاۃ فقام ابو عبداللہ مستقبل القبلۃ فتصبا فارسل یدیہ جمیعا علی فخذیہ قدضم اصابہ وقرب بین قدمیہ حتی کان بنیھما قدر ثلاث اصابع -[1]

ہمیں امام جعفر صادق نے یوں نماز سکھائی کہ آپ قبلہ رو کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھ کر اور انگلیاں ملا کر اور تین انگلیوں کے مقدار قدموں میں فاصلہ رکھ کر کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیے۔ اور نماز میں ہاتھ باندھنا اس سے نماز نہیں ہوتی کیونکہ یہ طریقہ مجوسیوں کا ہے۔

فقہ حنفیہؒ میں قیام نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے اور فقہ امامیہ میں قیام نماز میں ہاتھ چھوڑنا فرض ہے۔ جس نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی اُس کی نماز نہیں ہوگی۔

مرد و عورت کے نماز جنازہ میں اختلاف کی نوعیت

فقہ حنفیہؒ و فقہ جعفریہ میں مرد و عورت کے نماز جنازہ پڑھنے میں اصولی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن سنت تکبیرات میں فرق ہے۔ فقہ حنفیہؒ کے نزدیک جس بھی مرد و عورت کا نماز جنازہ پڑھایا جائے اس کے لیے چار تکبیرات فرض کفایہ ہیں۔ پہلی تکبیر کے ساتھ الہ کی حمد و ثنای، دوسری تکبیر کے بعد رسول اللہ ان پر درود و سلام، تیسری تکبیر کے بعد اپنے اور میت کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا مانگے اور چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے۔ جبکہ فقہ جعفریہ میں نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ یکسر مختلف ہے۔ فقہ امامیہ کے نزدیک نماز جنازہ کی پانچ تکبیرات ہیں اور یہی سنت طریقہ ہے بلکہ فقہ امامیہ میں اگر کسی نماز جنازہ پر چار تکبیرات پڑھی گئیں تو یہ سمجھا جائے گا یہ مرنے والا شخص منافق ہے۔ فقہ جعفریہ میں نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ یوں ہے۔ پہلی تکبیر میں صلوق کی تو پھر دوسری تکبیر کہہ کر یہ دعا مانگو "اللھم عبدک ابن عبدک ۔۔۔ الخ" پھر تیسری تکبیر کہہ کر یہ دعا مانگو "اللھم ان کان زاکیا فزکہ۔۔۔ ان پھر چوتھی تکبیر کہہ کر یہ دعا پڑھو "اللھم اکتبہ عندک۔۔۔ الخ "ان پھر پانچویں تکبیر کہو اور نماز سے پھر جائے فقہ امامیہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ پر پچیس تکبیرات سے نماز جنازہ پڑھایا تھا۔ فقہ حنفیہؒ میں اختتام جنازہ سلام کے ساتھ ہے جبکہ فقہ جعفریہ میں سلام کے بغیر ہی نماز جنازہ سے پھر جانے کا حکم ہے۔ فقہ حنیفہ میں ہے کہ اگر کوئی جنازہ پر کوئی پانچ تکبیرات پڑھے تو مقتدی کو چاہیے

---

[1] کلینی، فروع کافی، باب افتتاح الصلاۃ والحد فی التکبیر، رقم: ۴۹۵۷

Kaleeni,Faro Kafi,Raqam:4957

کہ اس کی ہر گز اتباع نہ کرے۔ نماز جنازہ میں فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ میں ادائیگی میں سنت واضح اختلاف ہے۔ فقہ حنفیہ کے نزدیک پانچویں تکبیر پر ہر گز نتائے امام نہ کی جائے جبکہ فقہ جعفریہ میں چار تکبیرات منافقت پر پڑھی جاتی ہیں۔

بعد از نماز جنازہ دعا میں اختلاف کی نوعیت

نماز جنازہ کے بعد دعا میں فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ میں اختلاف ہے۔ فقہ حنفیہ میں ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا اور علم نبی کے مطابق سنت ہے

اذاصلیتم علی المیت فأخلصوا له الدّعاء-[1]

"جب تم نماز جنازہ پڑھ چکو تو خلوص سے میت کے لیے دعا کرو۔"

جبکہ فقہ امامیہ میں حضرت امام حسین سے منسوب مروی حدیث مبارکہ میں آپ نے ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھی جو کہ منافق تھا اور اس کے لیے بد دعا فرمائی۔ لہٰذا فقہ امامیہ میں یہ بات نواسہ سے منسوب کرنا کہ جن کا خانوادہ دشمنوں کو بھی بد دعا نہیں دیتا تھا۔ کہ آپ نے منافقت کی نماز جنازہ پڑھتے پھر بد دعا دیتے۔

بچوں پر نماز جنازہ میں اختلاف کی نوعیت

فقہ حنیفہ اور فقہ جعفریہ میں بچوں پر نماز جنازہ پڑھانے میں اصولی اختلاف ہے۔ خاص طور پر یہ بچے کی تعریف میں اختلاف ہے۔ فقہ حنفیہ کے نزدیک ہر وہ بچہ جس نے پیدائش کے ہوتے ہی روتے ہوئے آواز نکالی ایسا بچہ فوت ہو جائے تو تغسیل کیا جائے گا اور جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر اس نے رونے کی آواز نہیں نکالی تو بنی آدم کی عزت کے پیش نظر ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کریں۔ جبکہ فقہ جعفریہ میں امام جعفر صادق سے منسوب قول اور حکم ہے کہ ایسے بچے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی جب وہ چھ سال کا ہو جائے اور اسے روزہ رکھنے کی طاقت ہو ورنہ نہیں۔ فقہ جعفریہ میں 6 سال تک کے بچے پر نماز جنازہ پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب عمل ہے۔ دلیل یہ ہے کہ

لا تجب الصلاة علی الاطفال المسلمین الابعد بلوغهم ست سنین وتستحب علی کل من کان دون ذالك. [1]

---

[1] تبریزی، مشکوۃ المصابیح (قدیمی کتب خانہ، کراچی)، ۱/۶۴۱

Tabraizi,Mishkat ul Masabih(Qadeemi Kuta Khana,Karachi),1/641

"بچوں پر نماز جنازہ پڑھنا واجب نہیں حتیٰ کہ وہ چھ سال کی عمر کے ہو جائیں اور اس سے کم پر مستحب عمل ہے۔"
بلکہ امام جعفر صادق نے منع فرمایا کہ بچوں پر نماز نہ پڑھی جائے۔ آپ نے اس لیے نماز جنازہ پڑھی تا کہ اہل مدینہ یہ نہ کہیں کہ یہ بچوں پر نماز جنازہ پڑھتے۔

قال انه لم یکن یصلی علی الاطفال انما کان امیر المومنین یامربھم فیدفنون من وراء وراء ولا یصلی علیھم وانما صلیت علیه من اجل اھل المدینة کراھیة أن یقولوا لا یصلون علی اطفالھم-[2]

مذکورہ بالا دلائل سے ظاہر ہے کہ فقہ حنفیہّ کے نزدیک ہر وہ بچہ جو پیدائش کے فوراً کے بعد روتے ہوئے آواز نکالی اس کیلئے تغسیل وجنازہ سنت ہے جبکہ اھل تشیع کے ھال چھ سال تک کے عمر کے بچے پر جنازہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔

کتاب الزکوۃ

اونٹ، گائے، بھینس پر زکوۃ میں اختلاف

فقہ حنیفہ اور فقہ جعفریہ میں اونٹ، گائے اور بھینس میں زکوۃ پر کوئی اصولی اختلاف تو نہیں ہے البتہ تعداد کے حوالہ سے اور جانور کے حوالہ سے فروعی اختلاف ہے۔ جیسا کہ اونٹوں کی زکوۃ میں فقہ حنفیہّ کے نزدیک اکسٹھ سے نوے اونٹ ہوں تو زکوۃ میں دو بنت لبون ہیں جبکہ فقہ جعفریہ میں اکسٹھ سے لیکر پچھتّر تک ایک جذیمہ ہے فقہ حنفیہّ میں اکیانوے سے ۱۲۰ تک دو حقے ہیں جبکہ فقہ جعفریہ میں اکیانوے سے زیادہ ہر ۵۰ پر ایک ہے۔

عن ابی عبدالله قال.. وفی عشر شانان وفی خمس عشرة ثلاث تنھاہ وفی عشر ین اربع وفی خمس وعشرین خمس-[3]

---

[1] نجم الدین جعفر، شرائع اسلام، ۹۶/۱

Najam ul din ,Sharai Islam,1/96

[2] صدوق محمد بن علی، من لایحضرہ الفقیہ، باب الصلاۃ علی المیت، رقم: ۴۸۷

Sodooq Muhammad Bin Ali, Man la Yahzuruhu Faqihu,Raqam:487

[3] کلینی، فروع کافی، باب صدقۃ الابل، رقم: ۵۸۲۸

Kaleeni,Faro Kafi,Raqam:5828

"امام باقر سے دس پر دو بکریاں اور پندرہ پہ تین بکریاں ہیں اور میں اونٹوں پر چار بکریاں ہیں اور جب یہ نہیں ہو جائیں تو پانچ بکریاں ہیں۔"

ابی جعفر وابی عبدالله.فاذا بلغت ثلاثمائة ففيها مثل ذالك ثلاث شياه فاذا زادت واحد فيها اربع شياه حتى تبلغ اربعمائته-[1]

"امام جعفر و امام باقر س جب تین سو بکریاں ہو جائیں تو ان پر تین بکریاں ہیں اور جب اس پر ایک بھی زیادہ ہو جائے تو چار بکریاں ہو جائیں گی۔ اسی طرح ہر سو کے بعد ایک بڑھنے سے زائد ہو جائے گی۔"

گائیوں اور بھینسوں میں ساٹھ سے زائد پر فقہ حنفیہّ کے نزدیک مسنہ کا چالیسواں حصہ اور دو زائد ہونے پر ایک مسنہ کا بیسواں حصہ اور جب تین زیادہ ہوں تو چالیس کے تین حصے واجب ہیں۔ جبکہ فقہ جعفریہ میں ساتھ سے بہتر تک کچھ نہیں۔ یہاں پر واجب کا اختلاف ہے۔اسی طرح فقہ حنفیہّ میں ۱۲۰ پر دو تبیعہ ، ایک مسنہ ہے جبکہ فقہ جعفریہ میں ۱۲۰ کے بعد چالیس گانے پر ایک مسنہ ہے۔ اسی طرح فقہ حنفی میں ہر دھائی کے بعد تبیع سے مسنہ کی طرف اور مسنہ سے تبیع کی طرف تبدیل ہوتا جائے گا اور فقہ جعفریہ میں گائے اپنے سن و سال پر آ جائے گی اور جو دہائی کے اوپر گائے ہے اس پر اور گانے پر کوئی حصہ نہیں آئے گا۔

بنی ہاشم پر زکوۃ میں اختلاف کی نوعیت

بنی ہاشم پر زکوۃ میں فقہ حنیفہ و امامیہ میں بنیادی اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک بنی ہاشم کے لوگوں پر زکوۃ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ زکو لوگوں کے مال کا دھون اور میل کچیل ہے جو کسی صورت بھی بنی ہاشم کے لیے جائز نہیں ہے۔ جبکہ فقہ جعفریہ نے استثناء کر کے کہ نبی اور ان کے بعد والے امام اور آئمہ اہل بیت پر زکوۃ لینا حرام قرار دیا ہے جبکہ بنی ہاشم میں سے جو شخص زکوۃ لینا چاہے اسے دے دو۔

عن ابی عبدالله قال سالته عن الصدقة التى حرمت عليهم فقال هى الزكاة المفروضة ولم تحرم علينا صدقة بعضنا على بعض-[2]-[1]

---

[1] محقق حلی، تبصرۃ المتعلمین فی أحکام الدین، ص: ۴۴

Muhaqiq Hali, Tabsirat ul Mutalimeen Fi Ahkam e Din,P:44

[2] طوسی، تہذیب الاحکام، باب ما یحل لبنی ھاشم ویحرم من الزکاۃ رقم: ۴۳۴۶

Toosi,Tahdhib al Ahkam,Raqam:4346

"امام جعفر سے سوال ہوا صدقہ کے بارے میں جو کہ بنی ہاشم پر حرام ہے۔ فرمایا: وہ فرض زکوۃ ہے اور بنی ہاشم کا بنی ہاشم سے صدقہ لیے ہم پر حرام نہیں۔"[1]

فقہ حنفیہؒ کے نزدیک بنی ھاشم کے لوگوں پر زکوۃ لینا جائزہ نہیں ہے کیونکہ زکوۃ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے، جبکہ فقہ امامیہ میں خاص نبی اور ائمہ اہل بیت پر زکوۃ حرام ہے اس کے علاوہ جن کا تعلق بنی ھاشم کے گھرانے سے ہے تو لینے والا بھی بنی ھاشم ہو اور دینے والا بھی تو پھر جائز ہے ورنہ نہیں۔

کتاب الصوم

رویت حلال میں اختلاف کی نوعیت

رویت ہلال میں حنفیہؒ اور امامیہ میں اختلاف کی نوعیت بنیادی اور ثانوی ہے۔ فروعی اس لحاظ سے کہ کسی نے بھی چاند دیکھ تو اور رمضان یا عید کا کم لاگو ہوگا جبکہ اصولی اختلاف اس میں ہے کہ چاند کی شہادت کون دے گا۔ اور کتنے لوگ دیں گے۔ جیسا کہ فقہ حنفیہؒ کے نزدیک آسمان پر بادل ہونے کی صورت میں یا کوئی اور علت ہونے کی صورت میں چاند دیکھنے کے لیے کسی بھی آزاد، غلام، مرد و عورت بشرطیکہ وہ عادل ہو فاسق کی گواہی قبول نہیں ہے۔ جبکہ فقہ جعفریہ میں دو گواہوں کی گواہی لازمی اور شہر سے باہر آنے کی ہے کہ انہوں نے رویت ہلال کیا ہے یا ان لوگوں سے ملا ہے جنہوں نے چاند کو دیکھا ہے۔ فقہ جعفریہ میں رویت ہلال کے لیے دو عادل گواہوں کا ہونا لازمی ہے اگر دو نہ ہو تو گواہی قبول نہیں۔ اسی طرح اگر عورت ہے تو بھی گواہی قبول نہیں ہے۔ برعکس فقیہ حنفیہؒ کے دلیل یہ ہے:

قال علی لاتسقبل شهادة النساء فی روية الهلال الاشهادة رجلين عدلين -[2]

"اصول یہ ہے کہ گواہی والے عادل ہوں۔ فقہ حنفیہؒ میں عدل کی شرط لازمی برعکس جعفریہ، شہر کے باہر سے آئیں اور دو گواہوں کا ہونا لازمی ہے۔"

قضاء و کفارہ میں اختلاف کی نوعیت

---

[1] طوسی، تہذیب الاحکام، باب ما یحل لبنی ھاشم، رقم: ۴۳۴۷

Toosi,Tahdhib al Ahkam,Raqam:4347

[2] شہید ثانی، الروضۃ البھیۃ فی شرح اللمعۃ الدمشقیہ، ۱/۲۵۷

Shaheed Sani,Al-Rozat Bahia Fi Sharah Lamha Damishqia,1/257

حنفی کے تحت بوسہ لینے یا شہوت نسوانی سے چھونے سے انزال ہونے سے اور دوسرا یہ کہ شرم گاہ کے علاوہ جماع کرنے سے انزال کی صورت میں روزے کی قضاء ہے بطور دلیل دلیل میمونہ رضی اللہ عنھا کی روایت ہے۔

عن ميمونة رضى الله عنها -مولاة النبى صلى عليك و سلم ، أن النبى صلى الله عليه و سلم سئل عن صائم، قبل-فقال أفطر -[1]

"ام المومنین میمونہ سے روایت ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا جس نے روزے کی حالت میں بوسہ لیا ہو تو فرمایا! کہ اس کا روزہ ختم ہو گیا۔"

ہر دو صورت میں اختتام روزہ کی علت انزال ہے۔ بر عکس میں بغیر جماع کے مادہ منویہ کے نکلنے پر نہیں ٹوٹتا اور قضاء بھی نہیں ہے۔ چونکہ فقہ جعفریہ میں یہ مسئلہ کی نصوص سے اور امام سے واضح نہیں ہے جبکہ بی بی میمونہ رضی اللہ عنھا کے فرمان کو ترجیح دی جائے گی۔ دوسرا یہ کہ فقہ جعفریہ میں ہے کہ ماہِ رمضان میں جنبی شخص کی بیداری کے بعد اگر جان بوجھ کر دو تین دفع سو جائے اور جب وہ آئے تو نہ ہو چکی ہو تو اس پر اس روزے کی قضاء لازم ہے۔[2] یہ ان سے مخصوص ہے۔ جماعِ غلام کی صورت میں قضاء و کفارہ فقہ حنفیہّ میں لازم ہیں بر عکس جعفریہ کے ، قضاء واجب ہے کفارہ نہیں ہے۔ نیز یہ کہ فقہ حنفی میں ماہِ رمضان کے علاوہ صوم کے توڑنے پر قتضاء لازم، کفارہ نہیں ہے۔ جبکہ فقہ جعفریہ میں نذرِ معین کے صوم میں قضاء و کفارہ دونوں ہیں۔ فقہ حنفیہّ کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی دلیل ہے۔

عن عائشة رضى الله عنها قالت! أهدى لى و لحفصة طعام -وكنا صائمتين فافطرنا- ثم دخل النبى-فقال لاعليكما صوماو كانه يوما آخر-[3]

---

[1] ابوالحسین مسلم بن الحجاج (م۲۶۱ھ)، الجامع (قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)، ۹۷۵/۲

Abu Hussain Muslim Bin Hajjaj,Al-Jame(Qadeemi Kutab Khana,Karachi),2/975

[2] طوسی، تہذیب الاحکام، باب مالفسید الصیام ومالحل، رقم: ۴۷۷۶

Toosi,Tahdhib al Ahkam,Raqam:4776

[3] عبدالرزاق، ابوبکر بن ھمام (م۲۱۱ھ) المصنف (مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ)، ۳۱۶/۲

Abdulrazaq,Al-Musanaf(Maktab Islami,Beroot,1403),2/316

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ فرمایا مجھے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنھا کو خوراک ہدیہ کسی نے دی جس پر صوم افطار کر چکے تھے پھر ہمارے صاحب تشریف لائے تو گویا ہوئے کہ تمہارے اوپر صرف ایک دن کی قضاء ہے۔"

مذکورہ حدیث میں نفلی روزہ پر قضاء لازم کی گئی ہے۔ صرف اور مضان کے روزے کو توڑنے پر قضاء اور کفارہ لازم ہے۔ نفلی روزے پر نہیں ہے۔ اور مضان میں روزہ توڑنا سخت گناہ ہے لیکن بعد از رمضان میں اتنا بڑا گناہ نہیں ہے اس لیے ان ایام کو ماہِ صیام پر صادر نہیں آتا اور ان کو اس ماہ کے ساتھ منسلک نہیں کیا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ حدیث کفار ماہ صیام کے روزوں کے متعلق ہے وہ صرف رمضان میں روزہ توڑنے کے متعلق ہے دوسرے ایام میں نہیں ہے۔ نیز فقہ حنفیہ میں مسافر کے روزے سے دوگنا اجر ہے۔آیت مبارکہ میں ہے:

أو علیٰ سفر فعده من أیا مِ أُخر-[1]

"یا مسافر دوسرے دنوں میں روزہ پورا کرے۔"

اور حدیث میں ہے کہ

عن ابن عباس رضی الله عنه قال!خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ، من المدينة الیٰ مكة، فصام حتى بلغ عسفان، ثم دعا بماء فرفعه الى يديه ليريه الناس، فأفطر حتى قدم مكة وذالك فی رمضان ‘‘فكان ابن عباس يقول: قد صام رسول الله ﷺوأفطر، فمن شاء صام ومن شاء افطر-[2]

"ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ علیک وسلم مدینہ سے سفر مکہ میں روزہ رکھا تھا کہ مقام عسفان پر پہنچے پر لوگوں کے سامنے ہاتھ اٹھا کر پانی منگوایا اور پیا اور آپ حالت روزہ سے تھے۔ افطار کیا پھر مکہ پہنچے اور یہ رمضان میں ہوا۔ عبد اللہ کے بیٹے کے بقول سرکار نے روزہ رکھا اور افطار کیا اور لوگوں کی منشاء پر چھوڑ دیا کہ رکھیں یا افطار کر دیں۔"

---

[1] سورۃ البقرۃ ۲:۱۷۵

Sourat ul Baqara2:175

[2] امام بخاری محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ) صحیح البخاری (قدیمی کتب خانہ کراچی)، ۱/۳۴

Imam Bukhari Muhammad Bin Islamail,Sahi Bukhari(Qadeemi Kutab Khana,Karachi),1/34

نصوص سے ثابت ہے کہ مسافر کے لئے گنجائش ہے روزے اور افطار کی۔ جبکہ مخالف فقہ میں نہیں ہے سفر میں روزہ رکھ کر روڑنا واجب ہے۔ حسبِ روایت ہے کہ

وروی أبان بن تغلب عن أبی جعفر قال!قال رسول الله خیار أمتی الذین اذا سافروا أفطروا -[1]

"ابان بن تغلب سے امام محمد باقر نے فرمایا کہ میرے نانا کا ارشاد ہے کہ میری امت کے نیک لوگ سفر میں روزہ نہیں رکھتے۔"

فقہ جعفریہ میں جو بھی شخص جان بوجھ کر روزہ توڑے تو اس کا کفارہ ا۔ عتق رقبہ ۲۔ دوماہ مسلسل روزے ۳۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاتا ان میں سے کوئی ایک جو کر سکے۔ اگر یہ روز کوئی حرام کام سے زنا یا غصب کردہ چیز سے توڑے تو اس کے لیے تینوں کفارے ہیں۔ دلیل یہ ہے

حتی جامع الرجل حراماً أوافطر علی حرام فی شهر رمضان فعلیه ثلاث کفارات عتق رقیة وصیام شهرین متتابعین -[2]

جس شخص پر کفارہ اور وہ ان تینوں سے عاجز ہے تو فقہ جعفریہ کے مطابق حسب توفیق صدقہ دے اور اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو استغفار کرلے۔[3]

بیمار کے روزہ کی نوعیت:

بیمار کے حوالہ سے تو فقہ حنفیہ و جعفریہ میں اختلاف کی نوعیت اصولی ہے جیسا کہ احناف کے ہاں:

ومن کان مریضاًفی رمضان فخاف ان صام ازداد مرضه أُفطر وقضٰی- وقال الشّافعی رحمه اللہ لا یفطر، هو یعتبر خوف الهلاك أو فوات العضو كما يعتبر في اليتيم، ونحن نقول: ان زيادة المرض وامتداده قد يفضى الیٰ الهلاك فيجب الاحتراز عنه- [4]

[1] کلینی، اصول کافی، باب کراهة الصوم فی السفر، رقم: ۶۴۶۶
Kaleeni,Usool Kafi,Raqam:6466

[2] صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، باب آداب الصائم ماینقض صومة، رقم: ۱۸۵۴
Sodooq,man la Yahzuruhu Faqihu,Raqam:1854

[3] صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، باب الکفارۃ فی اعتماد افطار، رقم: ۴۸۰۷
Sodooq,man la Yahzuruhu Faqihu,Raqam:4807

[4] مرغینانی، الھدایہ، ۳۶۸/۳

"جس بیمار کو ڈر ہو کہ وہ ماہِ صیام میں روزہ سے اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ افطار کرے اور قضاء کرے۔ امام شافعی کے بقول اعتبار ہلاک پر ہی روزہ توڑا جائے۔ یا عضو کے زائل ہونے پر یہ علم تیمم میں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مرض کا زیادہ ہونا اور طوالت انسان کو ہلاک تک لے جاسکتی ہے۔ بوجہ اس سے احتراز ضروری ہے۔"

مرض کی شدت میں روزہ توڑنا اور قضاء کرنا ہے دوسری صورت انتہائی ہے جس سے جان کو خطرہ اور اتلافِ عضو کے خطرہ سے روزہ توڑنے کی نرمی ہے۔ اللہ تعالی کا یہ حکم ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمْ اشهر فليصمه ومن كان مريضاً او على سفرٍ فعده من ايامٍ أُخر-[1]

حدیث میں ہے:

عن عبد الله رضى الله عنه، أن رسول الله عليه الصلوٰةخرج الى مكّة فى رمضان فصام حتى بلغ الكديد، أفطر فافطر الناس-[2]

"عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شارع اسلام، ماہِ رمضان میں مکہ کی طرف سفر میں مقام کدید تک پہنچ کر روزہ افطار کیا تو غلاموں نے بھی افطار کر دیا۔"

مذکورہ حدیث میں کہ سفر میں اگرچہ ہلاکت کا خطرہ پیش ہے صرف پریشانی ہوتی ہے لیکن پھر بھی روزہ ختم کرنے کی سہولت ہے جبکہ احتمال اغلب ہے حالت مرض میں۔

جبکہ فقہ جعفریہ میں ہے کہ

وروى سليمان بن عمرو عن أبى عبد الله قال: اشتلت أم سلمة رضى الئه عنها فى شهرِ رمضان فأمرها رسول الله ﷺأن تفطر وقال: عشاء الليل لعينك ردى" -[3]

Murgheenai, al-Hidaya,3/368

[1] سورۃ البقرۃ ۲: ۱۸۵

Sourat ul Baqara2:185

[2] بخاری، الجامع، ۲۶۱/۱

Bukhari,Al-Jame,1/261

[3] کلینی، فروع کافی، باب صوم الحائض والمستحاضہ، رقم: ۶۵۰۹

Kaleeni,Usool Kafi,Raqam:6509

"امام جعفر سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھنے پر ان کو روزہ نہ رکھنے کا فرمایا کہ تمہاری آنکھوں کے لئے رات کی غذا نقصان دہ ہے۔"

اس مسئلہ پر فیصلہ دیتے ہوئے ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ

الزھری عن علی بن الحسین قال صوم اسفر والمرض ان العامة اختلفت فی ذالك فقال قوم یصوم، وقال قوم:لا یصوم وقال قوم: ان شاء صام وان شاء أفطر وأمانحن فنقول: یفطر فی الحالین جمیعا، فان صام فی السفر أو حال المرض فعلیه القضاء ذالك بأن الله یقول''فمن کان منکم مریضا أو علی سفر فعدة من ایام اخر''الی قوله یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر-[1]

"زھری کے بقول علماء کی سفر اور مرض میں روزہ رکھنے میں اختلاف ہے۔ کچھ رخصت کے قائل ہیں اور کچھ روزہ رکھنے کے۔ اور ایک جماعت کے نزدیک رکھ لے یا افطار کرلے۔ جبکہ امامیہ کے نزدیک ہر دو حالت میں افطار کرے کیونکہ سفر و مرض میں روزہ رکھنے پر قضاء پھر بھی ہے۔"

جیساکہ حکم قرآن ہے:

فمن کان منکم مریضا أو علی سفر فعدة من أیامٍ أُخر -[2]

الی قوله { یرید الله بکم الیسر ولایرید بکم العسر} -[3]

ہر دو مسالک میں مسافر اور مریض کے ماہِ صیام میں روزہ رکھنے میں اختلاف اصولی ہے۔ حنفیّہ میں، کسی مریض یا مسافر نے رمضان میں روزہ رکھ لیا وہ صاب ہے اب اس کو قضاء کی ضرورت نہیں ہے۔ جبکہ فقہ جعفریہ میں اگر کسی مریض یا مسافر نے روزہ رکھ لیا تو پھر بھی قضاء ہوگی۔

قلت لابی عبدالله ماحب المریض اذائقه فی الصیام قال ذلك الیه هوا اعلمو بنفسه اذا قوی فلیصوموا. [1]

---

[1] مجلسی، ملّا محمد باقر (م ۱۱۹۰ھ)، بحار الانوار (مؤسسۃ الوفا، بیروت)، ۳۱۰/۹۳
Majlisi,Mulla Muhammad Baqir,Bihar ul Anwar(Muassat ul Wafa,Beroot),93/310

[2] سورۃ البقرۃ ۲: ۱۸۵

Sourat ul Baqara 2:185

[3] سورہ البقرۃ۲: ۱۸۵

Sourat ul Baqara 2:185

"امام باقر نے پوچھا گیا کہ مریض کے روزہ نہ رکھنے کی حد کیا ہے تو فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو بہتر جانتا ہے جب طاقت ہو تب روزہ رکھے۔ اسی طرح حاملہ عورت جو کہ قریب ولادت ہو اور طرف خوف ہو تب بھی روزہ جائز نہیں ہے۔"

سمعت ابا جعفر بقول الحامل المقرب والمرضع القليلة اللبن لاحرج عليهما-[2]

وہ قرآن مجید کی اس آیت کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے یہ حکم جاری کرتے ہیں۔

وَمَنْ كَانَ مريضاً أو علىٰ سفرٍ فعدّة من أيام أُخر -[3]

|اور جو مریض ہے یا مسافر وہ دوسرے دنوں میں اس کو پُورا کریں۔"

روزہ کی ابتداء وانتہاء میں اختلافی نوعیت

دونوں فقہاء کے نزدیک ابتداءِ وقت میں اختلاف نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک صبح صادق روزے کی ابتداء کا وقت ہے۔ اور فقہاءِ جعفریہ میں اوّل صبح کو سفید چادر کی طرح اور فجر کے ہونے پر لا شک فیہ کے الفاظ سے لکھا گیا ہے اور اس کی بنیاد لفظی اختلاف ہے۔ اس کے بر عکس افطار میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ فقہ حنفیّہ میں سورج ڈھلنے کے بعد تین ستارے یا سرخی غائب ہونے پر روزہ افطار نہیں کر سکتے۔ اسی بنیادی اختلاف کی وجہ سے فقہ جعفریہ والے تقریباً پندرہ منٹ کی تاخیر سے سورج کا غروب ہونا اوقاتِ نہار میں سے ہے۔ قرآن مجید میں افطاری کرنے کا وقت سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۷ میں "لیل" بتایا گیا ہے۔

ثم اتموا الصيام الى الیل -[4]

---

[1] صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، باب صوم الحائض والمتحاضۃ، رقم: ۱۹۹۸
Sodooq,man la Yahzuruhu Faqihu,Raqam:1998

[2] صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، باب صوم الحائض والمتحاضۃ، رقم: ۱۹۹۷
Sodooq,man la Yahzuruhu Faqihu,Raqam:1997

[3] سورۃ البقرۃ ۲: ۱۸۵
Sourat ul Baqara 2:185

[4] سورۃ البقرۃ ۲: ۱۸۷
Sourat ul Baqara 2:185

فقہ حنفیہ کے مطابق روزے کی افطاری کا وقت سورج کے ڈوبنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ فقہ حنفیہ کے مطابق "رات" کا تعلق روزے کے ساتھ نہیں ہے۔ لفظ "الیٰ" انتہاء کے لیے آتا ہے، یہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے۔ اور قاعدے کے مطابق "الیٰ" سے پہلے "مغیا" اور بعد والا "غایۃ" کہلاتا ہے۔ اور غایۃ مغیا میں تب داخل ہوتا ہے جب دونوں ایک جنس سے تعلق رکھتے ہوں جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔ اس میں غایۃ "رات" ہے اور مغیا" روزہ" ہے۔ اس کی دلیل قرآن حکیم ہے:

وقوله:''ثم اتم الصیام الی الیل''الی النہایة ولیس بحد واذا كانت نہایة ،انتہی العمل الیٰ ما بعدھا،ولا یدخل ما بعدھا فیما قبلھا، ولا صوم فی شيئٍ من الیل واذا کان مابعدھا لیس من جنس ما قبلھا،لم یدخل فی حکم ما قبلھا بحو: الی الیل-[1]

اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی واضح ہے کہ تعجیل افطار دین کے غالب ہونے کی نشانی ہے اور افطار میں جلدی کرنا یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرنا ہے۔ حدیث ہے:

أبی ھریرة عن النبی قال: لا یزال الدین ظاھرًا ما عجل الناس الفطر لأن الیھود والنصارٰی یؤخرون-[2]

عبدالرحمٰن بن صخر سے روایت ہے کہ فرمان مصطفیٰؐ ہے کہ اس دین کو غالبیت رہے گی حتیٰ کہ لوگ افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ افطاری میں تاخیر رائج تھی۔

مفہوم حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ روزہ میں جلدی افطاری کرنا سنت ہے اور یہودیوں کو عیسائیوں کے طریقوں سے بے زاری دلانا ہے۔ فقہ جعفریہ نے ایک پریس ریلیز کی جس میں وہ اقرار کرتے ہیں کہ (لاہور) وفاق المدارس الشیعہ پاکستان کے ترجمان نے واضح کیا ہے کہ فقہ جعفریہ کے مطابق دس منٹ سحری کے فرق کی بات درست نہیں، احتیاط کے طور پر صرف تین چار منٹ پہلے سحری کر لی جائے، دس منٹ کا اہل سنت سے فرق صرف افطاری کے وقت ہوتا ہے۔ میڈیا سیل کی طرف سے جاری بیان میں ترجمان نے کہا کہ کچھ عرصہ سے نوٹ کیا گیا

---

[1] مرغینانی، الھدایہ، ۳/۳۱۷

Murgheenani,al-Hidaya,3/317

[2] مسلم، جامع صحیح، حدیث: ۲۴۴۶

Muslim,Jame Sahi,Hadith:2446

ہے کہ مختلف میڈیا ہاؤسز کی طرف سے مختلف اوقات سحر وافطار شائع اور نشر کیے جا رہے ہیں جو کہ درست نہیں۔ اس حوالے سے جامعۃ المنتظر لاہور نے شرعی اور موسمیاتی ماہرین کی مدد سے لاہور اور مضافات کے لیے کیلنڈر تیار کیا ہے جسے ملک کے باقی علاقوں میں جغرافیائی فرق کے اعتبار سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اخبارات کے ایڈیٹرز اور الیکٹرانک میڈیا کے ذمہ داران کی توجہ مبذول کرواتے ہوئے اپیل کی ہے کہ درست اوقات سحر وافطار کو شائع اور نشر کیا جائے۔ ترجمان کا کہنا تھا کہ سحری کے اوقات میں فقہ جعفریہ اور فقہ حنفی میں فرق نہیں۔ اہلِ تشیع صرف احتیاط کے طور پر تین سے چار منٹ پہلے کھانا پینا بند کرتے ہیں۔ جسے غلط سمجھا اور عمل کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے روزہ دار کی حق تلفی بھی ہے اور اگر اس حساب سے وہ نماز ادا کرے گا تو نماز فجر نہیں ہو گی کیونکہ وہ قبل از وقت ادا کر رہا ہو گا۔ افطاری کے وقت غروبِ شرعی، غروبِ آفتاب کے تقریباً دس منٹ بعد ہوتا ہے۔ جس کا فرق اہلِ سنت برادران سے اہلِ تشیع کرتے ہیں۔[1] فقہ حنفیہّ اور فقہ جعفریہ میں روزہ کی سحری میں خاص اختلاف نہیں ہے جبکہ افطاری میں تعجل دونوں مسالک میں ہے فقہ حنفیہّ میں تعجیل سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی ہے جبکہ فقہ جعفریہ میں جب سورج مکمل غروب ہو جائے اور ستاروں کے ظاہر ہونے کو غروب پر محمول کرتے ہیں۔

باب الحج

وجوبِ حج میں فقہ حنفیہّ اور فقہ جعفریہ میں اختلافی نوعیت

فقہ حنفیہّ اور فقہ جعفریہ میں حج کے واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ فقہ حنفیہّ کے نزدیک پوری زندگی میں حج صرف صاحبِ استطاعت پر زندگی میں ایک دفعہ واجب ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

أبوهريرة: خطبنا نبی الله فقال: أيها الناس قد فرض الله عليكم الحج فحجوا، فقال رجل: أكل عام يا رسول الله ؟ فسكت حتى قالها ثلاثاً فقال رسول الله ﷺ لو قلت نعم لوجبت، ولما استطعتم ثم قال:

[1] دائرۃ المعارف تشیع (انتشارات سازمان، تہران ۱۳۶۸ء)، ص: ۳۳۷

Dairat ul Maarif Tashayu(Intisharat Sazman,Tehran,1368),P:337

ذرونی ما ترکتم، فانما هلك من كان قبلكم بكثرة سؤالهم واختلافهم علىٰ أنبياء هم فاذا أمرتكم بشىء فأتوا منه ما استطعتم ، واذا نهيتكم عن شيئٍ فدعوه -[1]

ابوھریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے نبی نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا تم حج بجالاؤ۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا۔ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ سرکار مبارک خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے یہ بات تین دفعہ دہرائی۔ جواب میں فرمایا میرے ہاں کہنے پر ہر سال کے لیے حج فرض ہو جاتا تو تم اس پر قادر نہیں ہو سکتے ز

عندالامامیہ صاحبِ استطاعت پر ہر سال فرض ہے جیسا کہ

ابی جرير القمی عن أبی عبد الله قال: الحج فرض على أهل الجرة فی كل عام -[2]

"امام ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ صاحب قدرت پر ہر سال حج فرض ہے۔"

نیز دوسری روایت ہے کہ

قال: قلت ومن لم يحج منافقد كفر؟ فقال: لا ولكٰن من قال: ليس هذا هكذا فقد كفر -[3]

"کہا کہ میں نے پوچھا اس کی فرضیت تو فرمایا کہ اس فرض کے انکار سے آدمی کا کفران لازم نہیں آتا۔"

اس روایت کے تحت فقہاء امامیہ کہتے ہیں کہ صاحب استطاعت پر حج فرض ہونا ہر سال میں علی سبیل البدلیت دلالت کرتا ہے۔ اس کے بعد شیخ طوسی رقمطراز ہیں:

فمعنى هذه الأخبارانه يجب على أهل الجدة فی كل عام على طريق البدل ، لأن اذالم وجب عليه الحج فی السنة الأولة فلم يفعل وجب عليه فی الثانية، و كذالك اذالم يحج فی الثانية وجب عليه فی الثالثة وعلى هذا فی كل سنة اليل أن يحج. ولو لم يعنوا عليه السلام وجوب ذالك عليهم فی كل عام

---

[1] امام مسلم، صحیح مسلم، حدیث: ۱۳۳۷

Imam Muslim ,Sahi Muslim,Hadith:1337

[2] کلینی، اصول کافی، ۱۱۸/۲

Kaleeni,Usool Kafi,2/118

[3] صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ۲۶۸/۲

Sodooq,man la Yahzuruhu Faqihu,2/268

على طريق الجمع، ونظيرهنا أن قوله في وجوب الكفارات الثلاث من أنه متىٰ لم يفعل واحدة منها فانا نقول ان كل واحدة منهالها صفة الوجوب، فاذافعل واحدة منها خرج الباقي من أن يكون واجبا -[1]

اس روایت کے مطابق صاحب استطاعت پر ہر سال علی طریق البدل حج لازم ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ پہلے سال کے وجوب کے بعد عدم ادائیگی پر دوسرے سال اس شخص پر واجب ہو جاتی ہے۔ دوسرے سال نہ ہونے پر تیسرے سال واجب ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ حج کرنا ہر سال ہے۔ حتیٰ کہ وہ حج نہ کرے۔ جس کی تمثیل وجوب ثلاثہ کا کفارہ ہے، حتیٰ الآن ان میں سے ایک ادانہ کرے۔ بدلیلہ ہر رکن فرض کی حیثیت رکھتا ہے ایک پر عمل کرنے سے باقی کا وجوب ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ میں اختلاف زندگی میں ایک دفعہ حج کرنے اور ہر سال حج کرنے میں اختلاف ہے۔ نبی مصطفیٰ علیہ السلام کا مقدس فرمانکے مطابق حق کے قریب فقہ حنفیہ کی رائے ہے۔ علاوہ ازیں اھل علم کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ "امر" مکرر ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔ بے شک جس کو حکم دیا گیا ہے وہ کسی کے ساتھ لازم یا کسی وصف کے ساتھ مزین ہو۔ اس لیے حج کا حکم بھی یہاں تقاضاءِ تکرار نہیں کرتا۔ جب صاحب استطاعت نے زندگی میں ایک دفعہ حج کیا تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو گیا۔

مضمون بالا میں فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ کے اختلافات کی نوعیت مختلف ہے۔ دونوں مکتبۂ فکر کے تقریباً اصول ایک ہیں لیکن اخذ کا کے اسباب مختلف ہیں لہٰذا فروعی مسائل میں احکام مختلف ہیں۔ اصل منابع قرآن وحدیث ہیں لیکن فقہ حنفیہ بواسطہ صحابۂ کرام بشمول اہل بیت مسائل اخذ کرتے ہیں جبکہ فقہ جعفریہ میں یہ صرف اہل بیت وائمہ معصومین سے لیئے گئے ہیں۔ اس لئے فروعی مسائل پر لگنے والے حکم مختلف ہیں جیسے طہارت کے مسائل میں ٹھہرے ہوئے پانی سے طہارت میں تو مختلف نہیں ہیں لیکن ماء راکد کیلئے پیمانہ میں اختلاف ہے۔ اسی طرح وضو کے ایک فرض پاؤں دھونا اور مسح کرنے میں اختلاف ہے جو کہ قرآن کے اعراب کو سمجھنے میں ہے۔ اذان میں تثویب اور حی علی خیر العمل کے اضافہ کرنے میں اور علی ولی اللہ کے اضافہ میں اختلاف ہے۔ مواقیت نماز میں اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح ارسال ید پن وہاتھ باندھنے میں اختلاف ہے فقہ حنفیہ کے نزدیک باندھنا اور فقہ جعفریہ کے نزدیک چھوڑنا فرض ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ میں جانوروں کی تعداد میں کمی بیشی، روزوں میں قضاء

[1] طوسی، تہذیب الاحکام، ۱۷/۵

Toosi,Thadhib al Ahkam,5/17

وکفارہ اور حج میں وجوب حج کی تعریف میں اختلاف ہے۔ مذکورہ بالا تحریر میں اصل عبادت میں اختلاف کی راہ نہیں ہے بلکہ فروعی مسائل کے احکام میں اختلاف ہے جو اس بات کو روا نہیں رکھتا کہ نفرت وعداوت وتعصب کی بنیاد کی نمو ہو بلکہ روح اسلام کو نوا عباد اللہ اخوانا کی ترغیب دیتی ہیں۔

نتائج تحقیق

اس مضمون سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

1۔ عبادات میں فقہ حنفیہ جعفریہ کے اختلافات کی نوعیت کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

2۔ یہ کہ اصل عبادات میں اختلاف نہیں بلکہ فروعی مسائل میں اختلاف ہے۔

3۔ اور یہ اختلاف استعدر نہیں کہ دونوں مذاہب ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں۔

4۔ فقہ حنفیہ فقہ جعفریہ کے اختلافات کی نوعیت کو پڑھ کر پرچم اسلام تلے آسمانی سے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

5۔ دونوں مکاتب فکر کا مرکز و محور ایک ہی ہے اللہ کی رضا کی کوشش اور آنحضور ﷺ کی کامل اطاعت۔

6۔ اس مقالہ سے وہ تاثر یکسر ختم ہونے کا امکان ہے کہ دونوں مکاتب میں بعد مشرقین کی فضاء ہونی چاہیے۔

7۔ قرآن فہمی اور حدیث فہمی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

مصادر و مراجع

1.Fakhar ul din Zailai,Usman Bin ali,Tabyeen ul Haqaiq,Dar ul Kutab Islami, Qahira,Misar.
2.Muhaqqiqq Hali,Abu Qasim ,Sharai Islam fi Masail il Halal Wal Haram,matbooa ismailian,Qum,1409
3.Toosi,Abu Jafar Muhammad Bin hassan,Tahdhib al Ahkam,Matba Najaf,Najaf.
4.Kuleeni,Razai,Usool Kafi,matba Islamia ,Iran,Tehran
5.Ayat ulllah Makarim,Tafseer e Namoona,madrisa Imam Ali,Qum ,Iran
6.Sodooq,Abu Jafar Muhammad Bin Ali,Man la Yahzuruhu Faqihu,Jamat ul Mudariseen,Qum
7.Tabraizi,Mishkat ul Masabih,Qadeemi Kuta Khana,Karachi